امتحان کے وقت مومن کے اندر ضعف نہیں پیدا ہوتا بلکہ وہ ایمان میں ترقی کرتا ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۰ ستمبر ۱۹۷۴ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہّد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

ماہِ رمضان اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آ گیا ہے۔اس مہینہ میں قریباً ہر قسم کی عبادات جمع کی گئی ہیں۔صدقہ وخیرات،قربانی، روزہ رکھنا،قرآن کریم کی تلاوت کثرت کے ساتھ کرنا (جو منبع اور سرچشمہ ہے تمام علوم کا اور بنیادی طور پر دنیوی علوم کا بھی منبع ہے اور روحانی علوم کا سرچشمہ تو ہے ہی) اسی وجہ سے صوفیائے کرام کا یہ قول ہے کہ اس ماہ میں تنویرِ قلب کے بہت سے سامان رکھے گئے ہیں یعنی اگر خلوصِ نیت کے ساتھ انسان اللہ تعالیٰ کے حضور میں قربانیاں دے تو کشف کا دروازہ کھلتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ہر سال میں ایک ماہ ایسا رکھ دیا کہ جس میں اس قسم کی عبادتیں اکٹھی ہوگئیں کہ (جن کے نتیجہ میں) اللہ تعالیٰ اپنی رضا کی راہوں کو فراخ کر دیتا ہے۔حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے (اتر کر) انسان کے زیادہ قریب ہوجاتا ہے۔یہ ایک تمثیلی زبان ہے (بعض لوگوں کو اس کی سمجھ نہیں آتی اور دماغ میں اعتراض پیدا ہوجاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ موجود ہے لیکن) تمثیلی زبان میں ہم یہ کہتے ہیں کہ آسمان سے نیچے اتر آتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ کشف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حصول کی راہیں اس پر آسان ہوجاتی ہیں اور اس طرح پر خدا تعالیٰ کا ایک مخلص اور مومن بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طفیل کشف حاصل کرتا اور محسوس کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے قریب ہے

اور بُعد کے خطرات اور توہمات سے وہ نجات حاصل کر لیتا ہے۔ پس اس ایک مہینہ میں اگر ہم سمجھ کے ساتھ اور عرفان کے ساتھ ان عبادات کو بجا لائیں جن کو اس مبارک مہینہ میں اکٹھا کیا گیا ہے تو روحانی طور پر زیادہ ذوق اور شوق پیدا ہوتا ہے اور عام دنوں اور عام موسموں کے علاوہ ان دنوں میں روحانی طور پر محبت الٰہی کی ایک آگ بھڑکتی ہے اور یہ روحانی تپش اور آگ ایسے سامان پیدا کرتی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی محبت کو زیادہ روشن طور پر اپنی زندگی میں دیکھتا ہے اور اس کے پیار پر وہ خوش ہوتا ہے اور اس کا شکر اور حمد کرنے کا اور اس کی راہ میں قربانیاں دینے کا سلسلہ اور بھی تیز ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان کے مہینے سے زیادہ سے زیادہ برکات حاصل کرنے کی توفیق عطا کرے۔

پچھلے خطبہ میں مَیں نے جماعت کو یہ بتایا تھا کہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور مہدی معہود (جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک محبوب ترین روحانی فرزند ہیں) کی وساطت سے نئے سرے سے وہ معرفت عطا ہوئی جو صحابۂ کرام کو اسلام کی نشأۃِ اُولیٰ کے زمانہ میں ملی تھی اور اس معرفت کا نتیجہ یہی ہوتا ہے خواہ وہ دنیوی معرفت ہو یعنی یقینی علم ہو یا روحانی معرفت ہو کہ اس سے محبت پیدا ہوتی ہے یعنی جب انسان کو اللہ تعالیٰ کے حسن اور اس کے احسان کا علم ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ کی اس معرفت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے انسان کے دل میں محبت ذاتی پیدا ہوتی ہے محبت ذاتی کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کی محبت نہیں ہوتی جو دنیادار مثلاً انگلستان یا ہندوستان یا کسی اور ملک کا رہنے والا اپنے افسر سے محبت یا لگاؤ کا اظہار اس لئے کرتا ہے کہ اس سے کچھ دنیاوی فائدہ حاصل کرنا ہوتا ہے۔ ایک اس قسم کی (میں کہوں گا) بیہودہ سی محبت بھی دنیا میں پائی جاتی ہے لیکن جس وقت خدا تعالیٰ کی معرفت انسان کو حاصل ہو جائے اور اس کی عظمت اور اس کے جلال کا علم مل جائے اور یقینی طور پر انسان کے سامنے خدا تعالیٰ کی عظمت اور اس کا جلال اور اس کا حسن اور اس کا احسان آ جائے تو خدا تعالیٰ کا پیار پیدا ہوتا ہے۔ محبت دل میں پیدا ہوتی ہے اور میں نے پچھلے خطبہ میں بتایا تھا کہ جب انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی اس طور پر ذاتی محبت پیدا ہو جائے تو یہ محبت، محبت ذاتی جو انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے دو تقاضے کرتی ہے۔ ایک یہ کہ انسان کوشش کرتا ہے کہ میرا

یہ محبوب میری کسی غفلت اور کوتاہی کے نتیجہ میں مجھ سے ناراض نہ ہو جائے اور دوسرے یہ کہ انسان کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوتی ہے کہ میں وہ اعمال بجا لاؤں جن کے نتیجہ میں میری یہ محبت یکطرفہ نہ رہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا پیار اور اس کی رضا بھی مجھے حاصل ہو۔

میں نے بتایا تھا کہ ۷ ستمبر کو جو بھی ایک مذہبی فیصلہ پاکستان کی قومی اسمبلی نے کیا اس کا ردعمل احمدی کی طرف سے جس کے دل میں اپنے رب کا پیار ہے ایسا ہو ہی نہیں سکتا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خدشہ ہو اور یہ بات ہمیں قرآن کریم نے بتائی ہے کہ کن باتوں سے وہ ناراض ہوتا ہے اور کن اعمال کے نتیجہ میں انسان اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی محبت کو حاصل کرتا ہے۔ میں نے بتایا تھا کہ وہ کام جن کے متعلق قرآنِ عظیم نے کہا ہے کہ اگر انسان ان کا مرتکب ہو تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو مول لینے والا ہے ان میں سے میں نے دو کا ذکر کیا تھا۔ ایک ظلم اور دوسرے فساد کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں ظلم کو پسند نہیں کرتا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں فساد سے پیار نہیں کرتا تو ہر وہ شخص جو خدا تعالیٰ کی نگاہ میں ظالم ہو یا فسادی ہو وہ خدا تعالیٰ کے پیار کو حاصل نہیں کر سکتا بلکہ اس کی ناراضگی مول لینے والا ہوتا ہے۔ اس لئے جماعت احمدیہ اور احباب جماعت احمدیہ سوائے چند منافقوں کے یا پھر بہت ہی نئے نئے جوان احمدیوں کے جن کی تربیت ابھی صحیح نہیں ہوئی جو لاکھ میں شاید ایک ہو ان کے سوا اور کسی کا ردعمل ایسا نہیں ہوگا کہ جس کے متعلق قرآنِ عظیم نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ یہ کام کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لو گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے پیار کو تم حاصل نہیں کر سکو گے تو میں نے اس قسم کے دو بد اعمال کا پچھلے خطبہ میں ذکر کیا تھا۔

میں نے بتایا ہے کہ قرآنِ عظیم نے بہت سے ایسے اعمال کا ذکر کیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے اور بہت سے ایسے اعمال کا ذکر کیا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی رضا مترتب ہوتی ہے اور انسان کو اپنے اس عظیم اور پاک اور عظمت اور جلال کے سرچشمہ اور تمام صفاتِ حسنہ سے متصف اور ہر ایک عیب سے پاک ذات کی محبت اس کو مل جاتی ہے۔

آج میں مختصراً دو ایسی مثبت باتیں لوں گا جن کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ اگر تم یہ اعمال بجا لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کی محبت تمہیں مل جائے گی یعنی معرفت کے نتیجہ میں پیدا کرنے

والے رب کریم کے لئے جو تمہارے دل میں پیدا ہوگا وہ یکطرفہ نہیں رہے گا بلکہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ پیار کا سلوک کرے گا اور اس کی رضا کو تم حاصل کرو گے۔ ان میں سے پہلی چیز صبر ہے۔ سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (ال عمران: ۱۴۷) اور اس آیت میں صبر کے دو پہلو نمایاں کئے ہیں اسی آیت میں جس کے آخر میں فرمایا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ اس کے شروع میں دو معنی بتائے ایک یہ کہ وہ تکالیف جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہنچی ہیں ان کے نتیجہ میں انسان سست ہوتا ہے نہ ضعف کے آثار اس کے اندر پیدا ہوتے ہیں یعنی ضعف اور کمزوری پیدا نہیں ہوتی اور سستی پیدا نہیں ہوتی تو جوں جوں اللہ تعالیٰ کی آزمائش میں (آفات کے ذریعہ اور ابتلاء کے ذریعہ اور بأساء کے ذریعہ ضرّاء کے ذریعہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کیا ہے) خدا تعالیٰ کے بندے کی اس کے محبوب کی طرف سے آزمائش کی جاتی ہے اسی نسبت سے اس کے اعمال صالحہ میں وھن اور سستی کی بجائے زیادہ شدت پیدا ہوتی ہے اور ضعف وکمزوری اور ناتوانی کی بجائے طاقت پیدا ہوتی ہے وہ اور ابھرتا ہے جس طرح بچے ٹینس کی گیند اور ربڑ کی گیند کے ساتھ کھیلتے ہیں (بچپن میں ہم بھی بہت کھیلا کرتے تھے اب وہ عمر گزر گئی) جتنے زور سے گیند کو زمین پر آپ پھینکیں اتنے ہی زور کے ساتھ وہ زیادہ اونچا ابھرے گا تو انسان جب اللہ تعالیٰ کی محبت اپنے دل میں پیدا کر لیتا ہے اور خدا تعالیٰ اس کی آزمائش کے لئے اور اس کے ثواب میں زیادتی پیدا کرنے کے لئے اور اپنی محبت کا زیادہ حسین رنگ میں اظہار کرنے کے لئے اپنی مخلوق میں سے بعض کو اپنے اس بندے کو زمین پر پٹخنے کی اجازت دے دیتا ہے کہ میرے اس بندے کو زمین پر زور سے پٹخو! اور جب وہ پٹخا جاتا ہے تو وہ ایک کمزور ایمان والے کی طرح یا غافل کی طرح زمین کے ساتھ چپک نہیں جاتا بلکہ جتنے زور سے پٹخا جاتا ہے اتنا بلند ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاتا ہے تو اس آیت میں صبر کے ایک معنی یہ بتائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص مجھ سے پیار کرتا ہے میں اس کی آزمائش کرتا ہوں اور اس کو مصیبتوں میں ڈالتا ہوں اگر میرے ساتھ پیار سچا ہو تو اس ابتلا اور امتحان کے اوقات میں میری محبت کے اظہار میں نہ سستی پیدا ہوتی ہے اور نہ میرے ساتھ عشق کے تعلق میں کمزوری اور ضعف پیدا ہوتا ہے بلکہ جوں جوں اسے

مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے اور پیسا جاتا ہے اسی نسبت سے اس کا پیار زیادہ ابھرتا ہے اور وہ ایسے اعمال بجا لاتا ہے جن کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی محبت جو وہ خدا سے حاصل کرتا ہے وہ پہلے سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے جلوے زیادہ حسین اور اس کا عرفان بندہ کے دل میں نسبتاً بہت زیادہ عظمتوں والا بن جاتا ہے۔ کلیتہً اور کامل طور پر تو حسن اور احسان کا مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مگر اس کی صفات کے جلوے اپنے بندوں کے ساتھ ان کے پیار اور ان کے اعمال کے مطابق ظاہر ہوتے ہیں اس لئے ہر شخص پر خدا تعالیٰ کے پیار کا جلوہ ایک جیسا نہیں ہوتا بلکہ ہر شخص پر اس کی محبت اور اس کی قربانی اور ایثار اور اس کے صبر اور دوسری وہ چیزیں جن سے اللہ تعالیٰ پیار کرتا ہے ان کے مطابق ہوتا ہے اور اس کی استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ ایک دوسرا رنگ ہے۔ کسی کی استعداد تھوڑی ہے کسی کی زیادہ ہے اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی صفات کے جلوے جو اس کے حسن اور احسان کے جلوے جو اس کے پیار اور رضا کے جلوے اسی کے مطابق نسبتاً کم یا زیادہ صورت میں اس پر ظاہر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس صبر کرنے والے سے پیار کرتا ہوں جسے میری راہ میں دکھ دیا جاتا ہے۔ اس میں نہ کمزوری واقع ہوتی ہے نہ ضعف واقع ہوتا ہے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ بشاشت کے ساتھ اور پہلے سے بھی زیادہ ذوق اور شوق کے ساتھ (جیسا کہ میں نے بتایا رمضان کی عبادتوں میں یہ انسان کی حالت روحانی ہو جاتی ہے) میرا بندہ میری طرف بڑھتا ہے اور جتنی تیزی سے وہ میری طرف بڑھتا ہے اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ میں اس کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہوں۔ یہ اس کی جزا ملتی ہے۔ اور اس آیت میں صبر کے دوسرے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ مخالف کے سامنے تذلل اختیار نہ کرنا بلکہ غَيْرُ اللّٰهِ کے سامنے تذلل توحید سے بُعد کا نام ہے کیونکہ جو توحید خالص پر قائم ہوتا ہے وہ تو غیر اللہ کو ایک مرے ہوئے کیڑے کی مانند بھی نہیں سمجھتا اور حقیقت بھی یہی ہے۔ آپ خود بھی سوچیں کہ جس پاک وجود یعنی ہمارے اللہ نے اتنے بڑے عالمین (Universe) کو پیدا کیا۔ اتنے بڑے عالمین کی وسعت کو ہمارا دماغ اور قوت فکر اپنے احاطہ میں نہیں لے سکتی۔ (ایک لمبے مضمون کو مختصر کر کے میں اس کی مثال دے دیتا ہوں کہ) ہمارا جو نظام شمسی ہے (بہتوں کو اس سے واقفیت ہوگی بعض بچوں کو نہیں

ہوگی) ان گنت اور بے شمار نظام ہائے شمسی سے ایک قبیلہ بنتا ہے۔ وہ قبیلہ اس عالمین کی ایک اکائی ہے۔اس کا اپنا ایک وجود ہے اور اس کو انگریزی میں گیلیکسی (Galaxy) کہتے ہیں اور یہ گیلیکسی صرف اپنی وسعتوں کے اندر قائم اور محدود نہیں بلکہ جب سے گیلیکسیز (Galaxies) پیدا ہوئی ہیں اور جو گیلیکسی پیدا ہوجائے وہ ایک خاص معین اور نامعلوم جہت کی طرف حرکت کررہی ہے اتنی وسعت ہے اور گیلیکسی کے متعلق ان سائنسدانوں کا (جن کا تعلق ستاروں کا علم حاصل کرنے سے ہے) کہنا ہے کہ ہم ان نظام ہائے شمسی کو شمار ہی نہیں کرسکتے جن سے ایک گیلیکسی یا ایک قبیلہ بنتا ہے گویا ان گنت سورج کے نظاموں سے مل کر ایک قبیلہ بنتا ہے۔ سورج کے ایک نظام کو ایک خاندان سمجھیں اس سے پھر ایک قبیلہ بنتا ہے اور اس قبیلہ میں سورج کے بے شمار نظام ہیں اور اس ساری چیز کا ایک وجود ہے اور وہ سب کے سب اپنی اپنی نسبتیں (جو ایک دوسرے سے ہیں) قائم رکھتے ہوئے ایک جہت کی طرف حرکت میں ہیں مثلاً ہمارا سورج اور اس کے نظام کے ستارے اپنے اپنے محور پر بھی ایک خاص زاویہ میں ایک خاص تیزی کے ساتھ حرکت کررہے ہیں اور سورج کے گرد بھی ان کی حرکت جو ایک مخصوص فاصلہ پر ہورہی ہے اپنی جگہ قائم ہے اور ایک نظام شمسی کی نسبت وسعت کے لحاظ سے دوسرے نظام شمسی کے ساتھ ہے۔ یہ بے شمار اور ان گنت نسبتیں اللہ تعالیٰ نے ان خاندانوں کی آپس میں رکھی ہیں اور سائنسدان کہتے ہیں کہ یہ جو گیلیکسی ہے جس میں ان گنت اور بے شمار نظام ہائے شمسی ہیں ان قبائل کی تعداد بھی بے شمار ہے اور ان گنت ہے آپ کا دماغ چکرا جائے گا۔ ہم اس وسعت کو دماغ میں لا ہی نہیں سکتے۔ پھر خالی یہ نہیں بلکہ ان بے شمار نظام ہائے شمسی کے بے شمار قبائل کی حرکت آپس میں Parallel یعنی متوازی نہیں بلکہ ہر لحہ ان کے آپس کے فاصلے بڑھ رہے ہیں۔ان بے شمار اور ان گنت قبائل کے درمیان کا فاصلہ ہر آن بڑھتا چلا جارہا ہے۔ تو جس خلا (Space) میں یہ ان گنت گیلیکسیز (Galaxies) ہیں اس کی وسعت کا تصور کون کرسکتا ہے اور یہ فاصلہ بڑھتے بڑھتے ایک وقت میں اتنا ہوجاتا ہے کہ اس کے اندر بے شمار اور اَن گنت خاندانوں کی ایک گیلیکسی سما سکے تو آدھے سائنسدان اس بات کے قائل ہوگئے ہیں کہ اس وقت خدا تعالیٰ کُنْ کہتا ہے اور یکدم بیشمار اور ان گنت خاندانوں کا ایک قبیلہ وہاں

پیدا ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ حرکت ایسی ہے کہ ان کا باہمی فاصلہ ہر وقت بڑھ رہا ہے تو گویا ہر وقت ان بے شمار گیلیکسیز کے درمیان اور بے شمار گیلیکسیز پیدا ہو رہی ہیں اور ان کا کوئی خاتمہ نہیں۔

پس خدا تعالیٰ کی صرف صفتِ ''خلق'' میں اتنی وسعت ہے تو خدا تعالیٰ کو ہماری عقل اپنے احاطہ میں لے ہی نہیں سکتی اور جب ہم نے اس عظیم ہستی پر کامل توکل کر کے اپنی زندگیوں کو اس کے مطابق ڈھالا تو پھر کسی اور کے سامنے تذلل کے ساتھ ہم جھک کیسے سکتے ہیں؟ تو یہ ہے صبر جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کا پیار حاصل ہوتا ہے۔

صبر کے متعلق بہت سی آیات ہیں جن پر درجنوں خطبے دیئے جاسکتے ہیں لیکن میں آپ کو ایک احمدی کی حقیقتِ حیات سمجھانے کیلئے مثالیں دے رہا ہوں کہ ایک احمدی ایسا ہے جو صبر کرتا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا پیار حاصل کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ جو صبر کرے گا وہ میرا پیار حاصل کرے گا۔ دوسری جگہ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔
يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرۃ:۱۵۴)
پہلے جو آیت میں نے پڑھی ہے اس کا مفہوم یہ تھا کہ اللہ صبر کرنے والے سے پیار اور محبت کرتا ہے اور یہاں یہ مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا صبر کرنے والے سے ہر قسم کا اچھا تعلق ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ میں اس پہلے تصور سے بڑھ کر ایک تصور پیش کیا گیا ہے اور صبر کی جو صفت مومن کو اپنے اندر پیدا کرنے کو کہا اس سے ایک اور امر کی طرف توجہ دلائی اور گویا ساری زندگی کی روحانی کوشش کو ان دو چیزوں کے اندر محدود کر دیا یعنی صبر اور صلوٰۃ یعنی دعا کہ اگر تم صبر اور دعا سے میری مدد چاہو گے تو میں ہر وقت تمہارے ساتھ رہوں گا۔ ایک تو اس سے ہمیں یہ پتہ لگا کہ خالی دعا بغیر تدبیر کے بالکل بے نتیجہ ہے کیونکہ یہ نہیں کہا کہ جو محض صلوٰۃ سے کام لیتا ہے دعا کرتا ہے اس کی زندگی کی کوششیں ثمر آور ہونگی۔ یہ کہا کہ جو دعا بھی کرتا ہے اور صبر بھی کرتا ہے وہ کامیاب ہوگا۔ صبر کے جیسا کہ میں نے ابھی معنیٰ بتائے ہیں یہ ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کے روحانی عمل کے اندر کمزوری نہیں پیدا کرسکتی۔ جب انسان آزمایا جاتا ہے تو اس کی تدبیر کمزور ہونے کی بجائے زیادہ طاقتور ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے یہاں یہ مفہوم ہوگا کہ

جودعا اور جو تدبیر وہ تدبیر جو صحیح معنی میں ہو اور ان راہوں پر ہو جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف لے جانے والی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی محبت انسان حاصل کرتا ہے۔ ویسی تدبیر اور دعا اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی معیت جو انسان کی جسمانی اور روحانی زندگی کے لئے چاہیئے ۔ وہ معیت اسے میسر آ جاتی ہے اور جب اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ کے معنی دوسری جگہ سورۃ بقرہ میں ہی ہمیں یہ بتائے کہ (یہ آیات صبر، مصیبت اور آزمائش اور امتحان اور اس کی جزاء سے متعلق ہیں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو مصیبت کے وقت اور امتحان کے زمانہ میں ۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (البقرة:۱۵۷) کا زبانی اور عملی ورد کرتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ کا مطلب یہ ہے کہ اے خدا ہم نے تو سارا کچھ تیرے سپرد کر دیا۔ ہم سارے کے سارے خدا کے ہیں۔ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (البقرة:۱۰۸) زمین و آسمان خدا کی ملکیت ہے۔ یہ ''ل'' کے معنوں میں داخل ہے۔ انسان کو خدا نے کچھ تھوڑا سا اختیار دیا تھا انسان کہتا ہے اِنَّا لِلّٰهِ ہم سارے کے سارے ہر پہلو سے تیرے ہی ہیں اور ہم یہ جانتے ہیں کہ یہ زندگی یہاں ختم ہونے والی نہیں اور ہم تیری طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ اس زندگی میں بھی اس رجوع کا مطلب یہ ہے کہ تو ہمیں اپنی حفاظت میں رکھ اور ہمارے اعمال کا نتیجہ اچھا نکال اور اُخروی زندگی میں ہمیں پچھتاوا نہ ہو کہ ہم نے دنیا میں جو نیک کام کر کے اللہ تعالیٰ کی جنتوں کو حاصل کرنا تھا اس میں کوتاہی اور غفلت اور وَھن اور ضعف پیدا نہ ہو۔ وہ آیات جن میں مختلف آزمائشوں کا ذکر ہے مثلاً وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وہ آزمائشیں اس وقت میرے مضمون کا حصہ نہیں۔ میرا مضمون یہ ہے کہ ہر آزمائش کے وقت خدا تعالیٰ کے ان احکام کو سامنے رکھ کر اِنَّا لِلّٰهِ کا احساس (ذہنی احساس اور عملی احساس) قائم رکھنا کہ جس کے ہم مِلک ہیں اور ایک زبردست ہستی اپنی ملکیت کے ساتھ جو سلوک کرتی ہے وہ سلوک ہم اس سے متوقع رکھتے ہیں اور ہم اس کی پناہ میں ہیں وہ ہمیں آزمائے گا تو سہی لیکن ہمیں بے سہارا نہیں چھوڑے گا۔ وہ ہمیں ہلاک نہیں کرے گا بلکہ وہ ہماری ترقیات کے اور دروازے کھولنے والا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی برکات اور اس کی رحمتیں حاصل کرنے والے ہیں۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (البقرة:۱۵۸)

اور یہ وہ لوگ ہیں کہ گویا خدا تعالیٰ ان کی انگلی پکڑ کر ان کے نیک انجام تک ان کو پہنچا دیتا ہے اور منزل مقصود تک وہ پہنچ جاتے ہیں اور انتہائی کامیابی ان کو مل جاتی ہے اور چونکہ صبر کے ساتھ آزمائشوں کا بھی ذکر ہے اس لئے ساتھ ہی یہ بھی ہمیں بتا دیا کہ فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ (الروم: ۶۱) ایک تو اصول ہے تعلیم یہ ہے کہ تم خدا کے ہو جاؤ گے اور اپنے قول اور فعل سے اِنَّا لِلّٰہِ کہنے والے ہو گے اور تمہارا توکل اور تمہاری نگاہیں اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کی طرف ہوں گی۔

آخری انجام خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تو اللہ تعالیٰ سورۂ روم میں فرماتا ہے کہ اگر تم استقلال سے اپنے ایمان پر قائم رہو تو اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ ہے وہ ضرور پورا ہوگا اور خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعہ ہمیں بھرپور وعدے دیئے ہیں جو ہماری زندگی کے ہر پہلو میں برکتوں کے وعدے ہیں اور نیک انجام کے وعدے ہیں اور ترقیات کے وعدے ہیں۔ اس زمانہ میں تو خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ اور اس زمانہ کے مومنوں کو اتنا زبردست وعدہ دیا ہے کہ ویسا وعدہ صرف صحابۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا تھا ورنہ دنیا کی تاریخ میں نوع انسانی کو اتنی زبردست بشارت آج تک نہیں ملی (آج سے میری مراد اسلام سے قبل ہے) اور اسلام کے دو حصوں پر یہ بشارت بٹی ہوئی تھی۔ ایک وہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت آپ کی تربیت حاصل کر کے اس وقت کی ساری دنیا پر اسلام کو غالب کرنے والے بنے۔ وَّ اٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ (الجمعة: ۴) اور ایک وہ دوسرا گروہ جس کا تعلق (ہمارے پہلے بزرگوں کے نزدیک بھی) مہدیٔ معہود علیہ السلام کے ساتھ تھا یعنی تم جماعت احمدیہ (کیونکہ ہمارے عقیدہ کے مطابق مہدی آگئے) تم سے خدا تعالیٰ نے آج وعدہ کیا ہے۔ اتنی بڑی بشارت دی ہے کہ انسان اس بشارت کو دیکھ کر پھر اپنی کمزوریوں پر نگاہ کر کے کانپ اٹھتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کمزور اور دھتکاری ہوئی جماعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ ساری دنیا میں اسلام کو غالب کر دے گا اور کشفی حالت میں اور الہام میں اس کی شکلیں یہ دکھائیں۔ اس کی بھی میں ایک مثال دے دیتا ہوں مثلاً روس ہے۔ روس میں جماعت احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ریت کے ذروں کی طرح دکھائی گئی۔ سارے روس کے ریت کے ذرے کون گن سکتا ہے۔ یہاں دریا کے

کنارے پر جا کر کسی دن کھڑے ہو کر اپنے پاؤں کے نیچے جو ریت کے ذرے آئیں ان کو گننے کی کوشش کرنا، وہ بھی تم سے نہیں گنے جائیں گے۔ یہ تو ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔ یہ زمانہ ساری دنیا میں اسلام کو غالب کرنے کا ہے۔ اس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دی گئی اور یہ بھی بتایا گیا کہ کن لوگوں کے ذریعہ سے یہ کام ہوگا۔ پس بڑی ذمہ داریاں ہیں اور اپنے نفوس کی بڑی اصلاح کی ضرورت ہے اور خدا تعالیٰ سے بہت پختہ تعلق قائم کرنے اور قائم رکھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا کرے۔

اور جہاں یہ کہا کہ استقلال سے ایمان پر قائم رہو وہاں یہ بھی کہا کہ کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو ان وعدوں پر یقین نہیں رکھتے۔ فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ تو ساتھ یہ کہا کہ جو ان وعدوں پر یقین نہیں رکھتے ان سے ہوشیار رہو۔ یہ یاد رکھو کہ وہ تمہیں دھوکہ دے کر اپنی جگہ سے ہٹا نہ دیں۔ ہر وقت محتاط رہنا۔

اور دوسری چیز بنیادی طور پر جو اللہ تعالیٰ کی محبت کو جذب کرتی ہے جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ (ال عمران: ۳۲) اگر تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس کی معرفت اور احسان کے بعد پیدا ہو چکی ہے تو یہ نہ سمجھنا کہ محض اس محبت کے پیدا ہو جانے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ بھی تم سے پیار کرنے لگ جائے گا۔ ایسا نہیں ہوگا۔ اگر تمہارے دل میں سچی محبت ہے تو قرآن کہتا ہے کہ تمہیں یقین رکھنا چاہیئے کہ تم اللہ تعالیٰ کی محبت کو جواب میں بھی حاصل کرو گے مگر اس کے لئے ایک شرط ہے۔ قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ اس کے لئے یہ شرط ہے کہ انسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کرنے کی کوشش میں ہر وقت لگا رہے۔ اس اتباع کے بغیر اور محض معرفت کے نتیجہ میں کسی سینہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جانے کی وجہ سے خدا تعالیٰ محبت کا سلوک نہیں کرتا۔ بیچ میں اتباعِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ بات یہ ہے کہ کوئی چیز بھی اور خصوصاً جو بڑے بڑے سائنس کے علوم ہیں وہ عمل (اور عملی تجربات) کے بغیر بے نتیجہ ہیں یعنی محض علم کا ہونا انسان کو اس کا پھل نہیں دے سکتا جب تک عمل نہ ہو۔ اس کی عام فہم مثال حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی دی ہے (بچے بھی سمجھ لیں گے) اگر ڈاکٹر یہ کہے کہ بچے کو ملیریا بخار

ہے اسے کونین دو لیکن بچہ کہے کہ کونین کڑوی ہے میں نہیں کھاؤں گا اور نہ کھائے تو کونین کا فائدہ اس بچہ کو ہوگا؟ صرف اس علم کی وجہ سے کہ کونین سے ملیریا کا بخار اتر جاتا ہے وہ بخار نہیں اترتا۔ محض علم بخار نہیں اتارتا۔ علم کے مطابق عمل کرنا بخار اتارتا ہے۔ یہ علم اب عام زمینداروں کو بھی ہو گیا ہے کہ گندم کے بہت سے بیج ایسے ہیں جن کے لئے زیادہ مقدار میں مصنوعی کھاد کی ضرورت ہے اور مصنوعی کھاد زیادہ پانی مانگتی ہے۔ اگر انسان گندم کے لئے بیج لگا دے اور تجربوں سے جو ثابت ہوا ہے کہ اتنی کھاد چاہیئے اس کا پتہ تو ہو مگر اس پر عمل نہ کرے (انسان کا علم ہر روز ناقص ہی رہتا ہے نئے نئے تجربے ہوتے رہتے ہیں اور نیا علم انسان کو بتاتا ہے کہ پہلا علم ناقص تھا جس پر تو نازاں ہوا کرتا تھا، بڑا فخر کرتا تھا بہر حال) اب ماہرین یہ کہتے ہیں کہ نئے بیج کیلئے ایک اور دو کی نسبت سے کھاد کی ضرورت ہے یعنی تین میں سے ایک فاسفورس اور دو یوریا کی نسبت ضروری ہے۔ اگر ایک بوری فاسفورس کی ڈالی ہے تو دو بوری یوریا یا اگر سو پاؤنڈ فاسفورس ڈالا ہے تو دو سو پاؤنڈ یوریا چاہیئے۔ اگر کوئی ایسا بیج لگائے اور اس کو صحیح مقدار میں کھاد اور وقت پر پانی ملتا رہے تو پچاس یا ساٹھ من ایک ایکڑ میں سے گندم ہو جائے گی۔ بیج تو وہ لگا دے لیکن کھاد دینے کا وقت آئے تو وہ سوچے کہ کون رقم خرچ کرے بس اسی طرح ٹھیک ہے، اللہ مالک ہے، تو خدا کا قانون اور حکم کہتا ہے کہ جو علم میرے قانون کا تم نے حاصل کیا اگر اس کے مطابق تم عمل نہیں کرو گے تو نتیجہ وہ نہیں نکلے گا جس کی تم توقع رکھتے ہو یا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ محکمہ زراعت والے مشورہ دیتے ہیں کہ اتنی کھاد ڈال دو اور اگر آپ اتنی کھاد ڈال دیں اور محکمہ آبپاشی آپ کو وقت پر پانی مہیا نہ کرے جیسا کہ بسا اوقات احمدی میرے پاس یہ شکایت کرتے ہیں کہ ہمیں وقت پر پانی نہیں دیا اور نہر یا سوئے بند کر دیئے اور درمیان میں کوئی ایسی روک آ جاتی ہے تو سوکھے کی وجہ سے گندم کے جلنے کا امکان زیادہ ہے پچاس ساٹھ من گندم پیدا ہونے کا امکان کم ہے۔

میں آپ کو یہ دو مثالیں دے کر یہ سمجھا رہا ہوں کہ محض علم اور معرفت کا حاصل ہونا نتیجہ خیز نہیں۔ اس کے لئے اس کے مطابق عمل ہونا چاہیئے۔ پس معرفت صرف علم ہے اس سے انسان اللہ تعالیٰ کی اس شان کو جو فی الواقعہ ہے جیسا کہ قرآن کریم نے ہمیں بتایا اور اس کی عظمت اور

اس کا جلال اور اس کی کبریائی اور اس کی وحدت، ان چیزوں کی جب انسان معرفت حاصل کرتا ہے تو پھر اس میں ایک تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی حقیقی معرفت تو بہر حال عمل کروا دیتی ہے کیونکہ پھر دوری نا قابل برداشت ہو جاتی ہے لیکن (ہم یہ ممکن مثال لے رہے ہیں کہ) اگر معرفت ہو اور عمل نہ ہو، قریب جانے کی کوشش نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے اعمالِ صالحہ کی طرف توجہ نہ ہو جہاں سے ہمیں ان اعمال کا علم مل رہا ہے یعنی قرآن کریم، وہ ہم پڑھیں نہ، اس پر غور نہ کریں، قرآن کریم کے علم کے مطابق کوئی نمونہ ہمارے سامنے نہ ہو اور اسوۂ حسنہ کو نظر انداز کر دیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے اور تمام ان لوگوں کے لئے جو خدا تعالیٰ کا پیار حاصل کرنا چاہتے ہیں ایک اسوۂ حسنہ ہیں۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ (الممتحنة:۷) جو خدا کو چاہتا ہے اور اس کی محبت حاصل کرنے کی توقع رکھتا ہے اور امید رکھتا ہے اور رِجَاء رکھتا ہے اس کے لئے محض معرفت کے نتیجہ میں سینوں میں اور دلوں میں محبت کا پیدا ہو جانا کافی نہیں اور حقیقتاً تو وہ محبت ہے ہی نہیں جو عمل کی طرف انسان کو اکساتی نہیں۔ قرآن کریم نے کہا اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ اگر معرفت باری تمہیں حاصل ہوگئی اور خدا تعالیٰ کی معرفت کے بعد تمہارے دل میں اس کا پیار پیدا ہو گیا تو پھر بھی تمہیں اس کا پیار نہیں ملے گا جب تک تم فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ کے مطابق میری (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی) کامل اتباع نہیں کرو گے۔ یہ اعلان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کروایا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے اسوہ بنایا ہے اگر اپنی محبت کے بدلے میں خدا تعالیٰ کی محبت کی توقع اور رِجَاء رکھتے ہو تو میری اتباع کرنی پڑے گی، میرے پیچھے چلنا پڑے گا، نمازیں اس طرح ادا کرنی پڑیں گی جس طرح میں نے کیں، روزے اس طرح رکھنے پڑیں گے جس طرح میں نے رکھے۔ یہ درست ہے کہ آپ کی استعداد تمام بنی نوع انسان سے زیادہ تھی۔ اسوہ اور مثال یہ نہیں کہ آپ اگر ساتویں آسمان سے اوپر نکل گئے (اور آپ کا مقام عرش رب کریم پر ہے) تو ہر مسلمان کو ساتویں آسمان سے اوپر نکلنا چاہیئے، یہ نہیں کہا، یہ اسوہ نہیں ہے۔ اسوہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے صرف ایک ہستی کو ساتوں آسمان پار کر کے عرشِ

رب کریم کے پاس جگہ دینی تھی تو وہ شخص اپنی استعداد اور قوت کی کامل نشو ونما کے نتیجہ میں وہاں پہنچ گیا تو جس کی جتنی جتنی استعداد اور قوت ہے اپنی استعداد اور قوت کے دائرہ کے اندر سب سے زیادہ جو روحانی اور جسمانی مقام انسان کو حاصل ہوسکتا ہے وہ اس کو حاصل ہونا چاہیئے اور وہ جو اتباع کرے گا اس کے نتیجہ میں جو اس کی طاقت اور اس کی روحانی استعداد ہے اس کے مطابق وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا اور اسی استعداد کے مطابق وہ خدا تعالیٰ کی محبت کو حاصل کرنے والا ہے اور یہ چیز محل اعتراض نہیں کیونکہ جس برتن میں صرف ایک سیر دودھ سما سکتا ہے اس میں اگر تم ڈیڑھ سیر ڈالو گے تو آدھ سیر بہہ جائے گا اور ضائع ہو جائیگا کیونکہ اس برتن میں سیر سے زیادہ گنجائش ہی نہیں ہے۔ یہی حالت انسان انسان کی ہے۔ انسان کا جو ظرف ہے (انسان کے معاملہ میں ہم ظرف کہتے ہیں) جس طرح دودھ کے برتن ہیں اور گھی کے برتن ہیں اور آٹا رکھنے کے برتن ہیں اور پھر توڑی رکھنے والے بڑے بڑے چھتوں والے کمرے بنائے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض دفعہ لپائی کر کے گُم سُم چھپا ہوا ایک گھر بنا لیا جاتا ہے جس میں توڑی بھر لی جاتی ہے۔ تو اگر وہ دس گز کے رقبہ میں بنا ہوا ہے تو اتنی ہی توڑی آئے گی۔ اگر وہ سو گڈّوں کی گنجائش والی جگہ ہے تو اتنی بلندی تک لے جا کر آپ سو گڈے تو لپائی کر سکتے ہیں اس میں دو سو گڈّے نہیں سما سکتے۔ اسی طرح ہر انسان کو خدا تعالیٰ نے ایک ظرف دیا ہے اور ہر فردِ واحد کے لئے انتہائی خوشی کے سامان یہ ہیں کہ جتنا اس کے اندر سما سکتا تھا اس کو مل گیا۔ جس طرح ان سو برتنوں میں سے جن میں ایک سیر دودھ پڑ سکتا ہے۔ زبان حال سے سب سے زیادہ خوش وہ برتن ہے جس میں ایک سیر دودھ پڑ گیا اور ان سَو میں سے مثلاً دس برتنوں میں سیر سیر دودھ پڑ گیا۔ باقی ماندہ میں سے مثلاً کسی کے پیندے کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ جس برتن میں پیندے کے ساتھ دودھ لگا ہوا ہے وہ برتن ''خوش'' نہیں۔ قرآن نے کہا کہ جہنم بھی شور مچا دیگی کہ کوئی اور ہے تو اور مجھے دیدو۔ وہاں ایک علیحدہ فلسفہ بیان ہوا ہے وہ اس مضمون کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز جس کام کے لئے جس مقدار اور جس حد تک جانے کے لئے بنائی گئی ہے اتنی پوری مقدار اس کو نہ ملے تو پوری خوشی اس کو حاصل نہیں ہوسکتی۔ پس حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنی زندگی کی عبادات اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس رنگ میں کیں کہ آپ کی استعداد جہاں تک آپ کو پہنچا سکتی تھی وہاں تک آپ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے اور اپنی استعداد کے مطابق کامل خوشی حاصل کی۔ اگرچہ دوسروں کے مقابلے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اکثر لوگ تو زمین پر ہی روحانی مسرتیں حاصل کر رہے ہیں، پہلے آسمان تک بھی نہیں پہنچے اور آپ ساتویں آسمان کو بھی پھلانگ کر عرشِ رب کریم کے پاس پہنچے اور خدا تعالیٰ نے بڑے پیار کے ساتھ اٹھا کر اپنی دائیں طرف اپنے عرش پر بٹھا لیا۔ اس حقیقت کے بیان کے لئے یہ ایک تمثیلی زبان ہے ورنہ سمجھ ہی نہیں آسکتی اور ایک وہ شخص ہے جس کی استعداد اور ظرف صرف پہلے آسمان تک جاتا ہے۔ جب اس کا پیمانہ بھر گیا تو جس طرح دودھ کا برتن منہ تک بھر جانے سے ایک حسن پیدا ہوتا ہے، بھینسوں والوں میں سے جس نے پہلے کبھی یہ حسن نہیں دیکھا وہ جا کر دیکھے کہ سیر والا پیمانہ جب بھر جاتا ہے تو اس میں ایک حسن پیدا ہوتا ہے، جب پیندے میں دو چھٹانک دودھ پڑا ہوا ہو تو اس میں کوئی حسن پیدا نہیں ہوتا۔ ہماری یہ ظاہری آنکھ بھی اس حسن کو دیکھتی ہے۔ پھر جانوروں کی خوبصورتیاں ہیں مثلاً بڑی خوبصورت وہ بھینس ہے جس کا جسم پوری طرح ڈیویلوپ (Develop) ہوا ہو۔ وہ بہت اچھی لگتی ہے۔ یہاں بہت سے زمیندار آئے ہوئے ہیں۔ وہ خیر اور برکت کے ساتھ واپس جائیں اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور امان کے اندر وہ جائیں۔ (موسم اب بدل رہا ہے اور شرافت کا موسم اور حقوق کی ادائیگی کا موسم آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک پر فضل کرے۔ یہ تو ضمنی بات تھی)

ہر انسان اپنے اپنے ظرف کے مطابق جب پوری نشو ونما حاصل کر لیتا ہے تو پوری لذت اور سرور جتنا وہ محسوس کرتا تھا اور جس قدر ممکن الحصول تھا اتنا اسے مل گیا۔ اسی کے مطابق اس نے محسوس کرنا تھا۔ تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے (دوسری بات جو مثبت رنگ کی ہے یعنی) یہ کرو گے تو خدا تعالیٰ راضی ہو جائے گا۔ (پچھلے خطبہ میں مَیں نے کہا تھا کہ یہ نہ کرنا اللہ ناراض ہو جائے گا) اب میں دو باتیں قرآن کریم کے مطابق ایسی بتا رہا ہوں کہ قرآنِ کریم نے کہا یہ کرو گے تو میرا پیار حاصل کرو گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ معرفت کے نتیجہ میں محبت اور محبت کے نتیجہ میں خشیت پیدا ہوتی ہے یعنی خدا کہیں ناراض نہ ہو جائے۔ اس کے متعلق میں نے پہلے خطبہ

میں بتایا تھا لیکن ایک جذبہ یہ ہے کہ جب میں اپنے پیدا کرنے والے رب سے محبت اور پیار کر رہا ہوں تو میرا دل چاہتا ہے کہ جو میرا محبوب ہے وہ مجھ سے پیار کرے اور مجھ سے محبت کرے، اس کی رضا مجھے حاصل ہو، یہ انسانی فطرت کے اندر ہے۔ قرآن کریم نے کہا اس کا سامان ہم نے کر دیا۔ اس محبت کے پیدا ہونے کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو میری محبت ہر ایک کو اس کے ظرف کے مطابق مل جائے گی۔ اگر اتباع نہیں کرو گے، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسوہ نہیں بناؤ گے تو میری محبت نہیں ملے گی اور مجموعی طور پر جب ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک کو ہم مکی زندگی کہتے ہیں اور ایک کو مدنی زندگی کہتے ہیں۔ ہمارا یہ زمانہ آپ کی اس زندگی سے مشابہ ہے جو مکی زندگی تھی۔ امتحان اور ابتلاء اور مصائب خدا کی خوشنودی اور محبت کی خاطر برداشت کرنے کی زندگی تھی۔ یہ نمونہ سامنے رکھ کر اپنی زندگی گزارو! جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنی تمام برکتیں بھیج کر اور محبت کے سامان پیدا کر دیئے تھے اسی طرح تمہارے لئے بھی پیدا ہوں گے کیونکہ اسلام کے ذریعہ جس خدا سے ہمارا تعارف کرایا گیا ہے نہ اس خدا کی طاقتیں کم ہوتی ہیں نہ معطل ہوتی ہیں، نہ اسے نیند آتی ہے نہ وہ اونگھتا ہے، نہ وہ بوڑھا ہوتا ہے وہ تو ازلی ابدی خدا اپنی طاقتوں کے انتہائی جلووں کے ساتھ جو خدا میں ہونے چاہئیں موجود ہے۔ جس رنگ میں وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اپنے فدائین اور جاں نثاروں کی مدد کر سکتا تھا اسی طور پر بغیر ایک ذرہ کمی کے وہ آج بھی، اگر آپ کا اخلاص ویسا ہو اور اس مقام تک پہنچ جائے جہاں ان کا پہنچا تھا، ویسی ہی مدد وہ آپ کی کر سکتا ہے اور آپ وفا کے دامن کو نہ چھوڑیں وہ اپنی محبت کا دامن آپ کے اوپر سے کبھی نہیں اٹھائے گا اور اس کی رحمتیں آپ پر نازل ہوں گی۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۴ء صفحہ ۱ تا ۷)

❀❀❀